مظہر الاسلام کے افسانوں میں عدم شناخت: علامتی اظہاریت

IDENTITY CRISIS IN MAZHAR-UL-ISLAM'S SHORT STORIES: A STUDY IN SYMBOLIC EXPRESSION

ڈاکٹر فریدہ عثمان* / ڈاکٹر شیراز فضل داد**

Abstract:

Mazhar‹ul‹Islam's short stories foreground the crisis of individual identity and the pervasive experience of non‹recognition. His narratives present human beings not merely as external actors but as embodiments of existential and psychological dilemmas, where the self is repeatedly fractured, suppressed, or rendered invisible. Across his oeuvre, characters lose their identity under social pressures, the weight of past experiences, failed relationships, or systemic oppression, transforming into faceless, marginalized existences. Drawing on philosophical, existential, and psychological frameworks, Mazhar‹ul‹Islam explores the self as a dynamic and unfinished process, highlighting the tension between internal consciousness and external realities. Symbolic and abstract techniques, through everyday objects, natural elements, or ritualistic settings, reveal the inner disintegration of individuals, their suppressed desires, and the constraints imposed by societal and cultural structures. His work underscores the existential burden of life, where human beings survive physically but lose their internal essence, becoming mere shadows within society. The stories demonstrate that modern social, economic, and political structures

*لیکچرار اردو، محکمہ اعلیٰ تعلیم خیبر پختونخوا

**اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

exacerbate this alienation, leaving the individual in a perpetual state of identity crisis. Mazhar‹ul‹Islam's literary canvas thus raises profound questions about selfhood, recognition, and the human struggle to reclaim meaning and agency in a world that systematically diminishes individuality.

Keywords: Individual identity, Identity crisis, Non‹recognition, Existentialism, Psychological disintegration, Symbolism, Allegory, Social oppression, Internal consciousness, Mazhar‹ul‹Islam, Existential burden, Alienation, Faceless existence, Selfhood, Literary symbolism

عدم شناخت محض عارضی ذہنی دباؤ یا جذباتی اضطراب نہیں، بلکہ ایک گہرا وجودی انقطاع ہے جو فرد کی داخلی ہم آہنگی، خوابوں اور خواہشات کو مجروح کر دیتا ہے۔ اس کا اثر صرف نفسیاتی سطح تک محدود نہیں رہتا بلکہ فرد کے سماجی رویوں، تعلقات اور معنوی رشتوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اسی لیے عدم شناخت کو بیک وقت فلسفیانہ، نفسیاتی، تہذیبی اور سماجی مسئلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ فلسفے میں یہ مسئلہ وجودیت کے ان مباحث سے جڑتا ہے جہاں وجود، معنویت اور خودی کے سوالات مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، جبکہ نفسیات میں اسے شناختی بحران اور شناخت کے بکھراؤ جیسے تصورات کے ذریعے سمجھا گیا ہے۔ فرد کی شناخت وہ شعوری کیفیت ہے جو انسان کو اپنی ذات، وابستگیوں، سماجی رشتوں اور وجودی مقام کا ادراک عطا کرتی ہے۔ یہ ایک ایسا داخلی و خارجی احساس ہے جس کے ذریعے فرد یہ طے کرتا ہے کہ وہ کون ہے، کن معنوی حوالوں سے جڑا ہے، اور اپنی زندگی کو کس سمت میں برتنا چاہتا ہے فرد کی شناخت ایک کثیر سطحی شعوری تشکیل ہے جو انسان کو اپنی ذات، سماجی رشتوں، وجودی معنویت اور ثقافتی وابستگیوں کا ادراک عطا کرتی ہے۔ نفسیاتی سطح پر یہ شعور فرد کو اپنی ذات کو ایک مربوط اکائی کے طور پر دیکھنے اور اپنے افعال و افکار میں تسلسل محسوس کرنے کی صلاحیت دیتا ہے، جبکہ سماجی سطح پر شناخت اسی وقت مستحکم ہوتی ہے جب فرد کے کردار اور رشتے اجتماعی سطح پر تسلیم کیے جائیں۔ وجودی سطح پر شناخت کی موجودگی فرد کو داخلی سکون، وجودی تسلسل اور سماجی اعتبار عطا کرتی ہے، جس کے تحت وہ اپنی زندگی کو ایک بامقصد اور مانوس وجود کے طور پر جیتا ہے۔ اس کے برعکس، عدم شناخت اس وقت جنم لیتی ہے جب یہ توازن بکھر جائے اور فرد نہ اپنے اندر اپنی ذات کو پہچان سکے، نہ سماج میں اپنی جگہ متعین کر پائے۔ اس کیفیت میں زندگی بوجھ بن جاتی ہے، خواب بے سمت ہو جاتے

ہیں اور تجربات اظہار سے محروم رہتے ہیں۔ نتیجتاً فرد ایک ایسے وجود میں ڈھل جاتا ہے جو نہ حال میں معتبر رہتا ہے اور نہ مستقبل میں یاد رکھا جاتا ہے۔

> "Personal psychosocial conflict especially in adolescence that involves confusion about one's social role and often a sense of loss of continuity to one's personality."(1)

نفسیاتی تناظر میں ایرک ایرکسن شناخت کو فرد کے داخلی میلانات اور سماجی رشتوں کے امتزاج کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ جب سماجی سطح پر فرد کو تسلیم نہ کیا جائے یا اس کی داخلی خواہشات سماجی تقاضوں سے ہم آہنگ نہ رہیں تو وہ شناختی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اس لمحے جب ماضی کا بوجھ، حال کی مجبوری اور مستقبل کی غیر یقینی ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ سماجی و تہذیبی سطح پر عدم شناخت اس وقت شدت اختیار کرتی ہے جب معاشرہ فرد کو محض ایک بے چہرہ جزو میں بدل دے، اس کی انفرادیت، خواب اور داخلی سچائیاں اجتماعی نظام میں تحلیل ہو جائیں، یوں فرد اپنی شناخت کو بچانے کی جدوجہد میں رہتا ہے، مگر سماج اسے پہچان دینے کے بجائے اس کی ہستی کو مزید غیر مرئی بنا دیتا ہے۔

> "An identity crisis is a period of uncertainty and confusion in which an individual questions their sense of self, values, and direction in life. This concept often highlights the struggle to understand one's identity amid external pressures or internal conflicts, reflecting broader themes of dislocation and existential angst."(2)

شناختی بحران وہ کیفیت ہے جس میں فرد اپنی ذات، اقدار اور زندگی کی سمت کے بارے میں شدید ابہام اور غیر یقینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ محض ایک نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک گہرا وجودی اور سماجی بحران ہے، جو انسان کو اپنی اصل ہستی سے منقطع کر دیتا ہے۔ اس بحران کی جڑ اس وقت مضبوط ہوتی ہے جب فرد اپنے داخلی تقاضوں اور سماجی توقعات کے درمیان توازن قائم کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ سماج کی عائد کردہ اقدار اور فرد کے باطنی میلانات کے مابین یہ تصادم اسے شک، اضطراب اور خود سوالی کی ایسی کیفیت میں دھکیل دیتا ہے جو بالآخر وجودی کرب میں بدل جاتی ہے۔ ادب، بالخصوص جدیدیت کے متون میں، شناختی بحران ایک مرکزی علامت کے طور پر ابھرتا ہے۔

صنعتی ترقی، جنگوں، معاشی عدم استحکام اور تہذیبی انتشار نے جدید انسان کو اپنی انفرادی پہچان کے بارے میں غیر مطمئن بنا دیا۔ اسی لیے جدید افسانوی کردار بکھری ہوئی شناخت، داخلی خلا اور معنوی بیگانگی کے ساتھ جیتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بدلتے ہوئے سماجی سانچوں میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اکثر یہ کوشش ناکامی پر منتج ہوتی ہے۔ اس تناظر میں شناختی بحران اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ فرد کی ذات کوئی جامد شے نہیں بلکہ ایک مسلسل اور متغیر عمل ہے۔ یہ عمل تضادات اور کشمکش سے اس قدر بھرا ہوتا ہے کہ فرد اپنی پہچان کے بارے میں کسی قطعی نتیجے تک نہیں پہنچ پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں یہ بحران محض ذاتی الجھن نہیں رہتا بلکہ ایک اجتماعی اور تہذیبی تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، ایک ایسا المیہ جہاں انسان خود کو مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ جیمز مارشیا نے ایرکسن کے نظریے کو عملی اور تحقیقی شکل دیتے ہوئے شناخت کو ایک متحرک اور ارتقائی ساخت کے طور پر پیش کیا۔ ان کے مطابق شناخت خواہشات، صلاحیتوں، اعتقادات اور ذاتی تاریخ کے امتزاج سے وجود میں آتی ہے اور نوجوانی میں اس کا تعین اس لیے اہم ہے کہ یہی دور جسمانی، ذہنی اور سماجی تبدیلیوں کا مرکز ہوتا ہے۔ مارشیا نے شناخت کو جانچنے کے لیے دو بنیادی پیمانے مقرر کیے: شناخت کی کھوج (exploration) اور وابستگی (commitment) ان کی بنیاد پر انہوں نے چار شناختی حالتیں متعین کیں:

1. Identity Achievement
2. ‹Moratorium›
3. Foreclosure
4. Identity Diffusion

Identity Diffusion عدم شناخت کی سب سے واضح صورت ہے، جہاں فرد نہ کسی قدر کی تلاش کرتا ہے اور نہ کسی سمت سے وابستگی پیدا کر پاتا ہے۔ اس حالت میں ذہنی بے سمتی، فیصلہ سازی کی کمزوری اور مستقبل سے لاتعلقی نمایاں ہو جاتی ہے۔ مارشیا کے مطابق خاندانی ڈھانچے، ثقافتی توقعات اور سماجی دباؤ ان شناختی حالتوں کی تشکیل میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔

فرائڈ کے مطابق ابتدائی پانچ سال، جو شخصیت کی تشکیل کا فیصلہ کن دور ہیں، اس کیفیت کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اگر بچہ اس دور میں محبت، تحفظ اور قبولیت نہ حاصل کرے یا جذبات دبائے جائیں تو Ego کمزور رہتا ہے، اور بعد میں شناختی الجھن یا عدم شناخت پیدا ہو سکتی ہے۔ کارل گوستاو یونگ نے اس بحث کو مزید بڑھاتے ہوئے انسانی ظاہری شخصیت کو "Persona" یعنی سماج کے سامنے پیش کیے جانے والے نقاب کے طور پر بیان کیا، جو اکثر حقیقی

خودی اور سماجی توقعات کے تضاد کی عکاسی کرتا ہے۔ رولو مے نے عدم شناخت کو وجودی نفسیات کے زاویے سے دیکھا اور اسے فرد کی آزادی، ذاتی معنویت اور ذمہ داری کے بحران سے جوڑا۔ ان کے نزدیک جب انسان اپنی آزادی اور انتخاب کی طاقت سے بھاگتا ہے، تو وہ دوسروں یا سماج کے بنائے ہوئے راستوں پر چلنے لگتا ہے، اور اپنی اصل خواہشات و اقدار سے کٹ جاتا ہے۔ یہ وجودی خلا (Existential Vacuum) فرد کی داخلی بیگانگی اور بے سمتی کی کیفیت کو جنم دیتا ہے۔ ہے رولو مے نے اپنی کتاب Man's Search for Himself (۱۹۵۳) میں عدم شناخت کو ایک وجودی خلا اور ذاتی معنویت کے بحران کے طور پر بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں

> "When we look below the surface of our individual anxiety, we find that it also comes from something more profound than the threat of war and economic uncertainty. We are anxious because we do not know what roles to pursue, what principles for action to believe in. Our individual anxiety, somewhat like that of the nation, are a basic confusion and bewilderment about where we are going." (3)

چارلس ٹیلر اس تناظر میں شناخت کو مکالماتی عمل کے طور پر دیکھتے ہیں: شناخت محض داخلی تجربہ نہیں بلکہ دوسروں کے ساتھ جاری مکالمے کے ذریعے بنتی ہے۔ اسی طرح کینیتھ گرجن نے جدید انسان میں سماجی دباؤ کے تحت شناخت کی تقسیم اور کشمکش پر روشنی ڈالی۔

> "My own identity crucially depends on my dialogical relations with other." (4)

ایڈورڈ سعید اور ہومی بھابھا نے نو آبادیاتی بیانیے اور مغربی استشراق کو شناخت کے بگاڑ کا اہم سبب بتایا۔ استشراق نے مشرقی فرد یا معاشرہ کو "دیگر (the Other)" کے طور پر پیش کر کے اس کی خودی اور شناخت کو مسخ کیا۔ بھابھا کے نظریات mimicry (نقالی) اور hybridity (التباس) بتاتے ہیں کہ نو آبادیاتی اثرات شناخت کو نہ مکمل مغربی اور نہ اپنی اصل میں چھوڑتے ہیں، نتیجتاً فرد یا معاشرہ ایک غیر مستحکم اور ابہامی شناخت میں رہتا ہے۔

> "Sartre will have none of that, He thinks the individual is primary, and that you cannot get at what is really important

and interesting about an individual by thinking of it as in effect nothing more than the intersection of a bunch of general principles."(5)

کارل مارکس کے مطابق سرمایہ دارانہ سماج میں فرد کے سماجی تعلقات اور طبقاتی حالت کی بیگانگی اس کی شناخت پر اثر ڈالتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تعلقات "commodities" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، جس سے فرد اپنی اصل خودی اور سماجی شعور سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ ایڈورڈ سعید اس تجربے کو مشرق کی غلط نمائندگی میں دیکھتے ہیں:

"It is rather a distribution of geopolitical awareness into aesthetic scholarly, economic, sociological, historical, and philological texts."(6)

ایڈورڈ سعید کے نظریۂ استشراق (Orientalism) کے مطابق، مشرق اور مغرب کی تقسیم محض جغرافیائی حقیقت نہیں بلکہ ایک علمی، تاریخی، جمالیاتی اور سماجی تشکیل (construction) ہے۔ یہ تقسیم دنیا کو دو حصوں میں بانٹنے تک محدود نہیں، بلکہ ایک پورا فکری و علمی ڈھانچہ ہے جو مختلف علوم اور متون — جیسے لسانیات، تاریخ، نفسیات، سماجیات اور ادبی و جمالیاتی مطالعے — کے ذریعے بنایا اور قائم رکھا گیا ہے۔ سعید استشراق کو ایک خطاب (discourse) قرار دیتے ہیں جو مشرق کے بارے میں مخصوص علم پیدا کرتا اور اسے طاقت کے ذریعے قائم رکھتا ہے۔ اس خطاب کے تحت، مغرب مشرق کو ہمیشہ "کمتر"، "غیر منطقی" اور "غیر ترقی یافتہ" کے طور پر پیش کرتا ہے، جبکہ خود کو "برتر"، "عقلی" اور "مرکز" ظاہر کرتا ہے۔ اس نظریے کی بنیاد یہ ہے کہ علمی و جمالیاتی متون غیر جانب دار نہیں، بلکہ وہ طاقت اور غلبے کے نظام کی مددگار ہیں، جو دنیا کو مشرق اور مغرب کے دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر کے مغرب کی بالادستی قائم رکھتے ہیں۔

یہ عمل عدم شناخت کے مسئلے سے براہِ راست جُڑا ہوا ہے۔ جب کوئی تہذیب یا فرد اپنی شناخت خود متعین کرنے کے بجائے کسی اور کے بیانیے سے اخذ کرتا ہے، تو وہ اپنی اصل پہچان سے محروم ہو جاتا ہے۔ استشراق مشرق کو "دیگر (the Other)" بنا کر اس کی شناخت کو مسخ کرتا ہے، جس کے نتیجے میں مشرقی فرد یا معاشرہ اپنے بارے میں وہی سوچنے لگتا ہے جو مغرب نے طے کیا ہوتا ہے۔ اس کیفیت کا اثر انفرادی سطح پر بھی واضح ہوتا ہے: جیسے ایک فرد دوسروں کی توقعات اور سماجی بیان کے تحت اپنی اصل پہچان کھو دیتا ہے، اسی طرح پوری تہذیب بھی

دوسرے کے بیانیے کے اثر میں اپنی شناخت سے محروم ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً، استشراق صرف علمی یا ادبی رویہ نہیں، بلکہ ایک مضبوط جبر ہے جو فرد اور معاشرے کو اپنی اصل پہچان سے محروم کر کے ایک "غیر شناختی وجود" میں بدل دیتا ہے۔ مشرق اپنی زبان، تاریخ اور ثقافت کے باوجود اپنی شناخت کا مالک نہیں رہتا، بلکہ مغرب کے تخلیق کردہ "زیر دست عکس" کو قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

ہومی کے بھابھا اس مسئلے کا حل "Hybridity" اور "Third Space" کے تصور میں تلاش کرتے ہیں جہاں شناخت کبھی ایک خالص شکل میں نہیں رہتی بلکہ مسلسل نئے میل جول سے بنتی ہے، یہ عبوری کیفیت شناخت کو زندہ بھی رکھتی ہے اور غیر مستحکم بھی۔

> "He colonizer's avowed ambition to civilize or modernize the native that results in 'archaic inert institutions under the oppressor's super vision like a caricature of formerly fertile institutions or the validity of violence in the very definition of the colonial social space or the viability of the febrile, phantasmic images of racial hatred that come to be absorbed and acted` out in the wisdom of the West." (7)

ہومی کے بھابھا کے نظریات، خاص طور پر mimicry نقالی اور hybridity التباس / مخلوط شناخت اس بحث کو اور بھی گہرا کرتے ہیں۔ ان کے مطابق نو آبادیاتی طاقت مقامی فرد کو مجبور کرتی ہے کہ وہ "مغربی" سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کرے، لیکن یہ نقالی کبھی مکمل نہیں ہو پاتی۔ نتیجتاً فرد "نہ مکمل مغربی" رہتا ہے اور نہ اپنی اصل پہچان میں یہی کیفیت اسے ایک غیر مکمل اور غیر یقینی وجود میں بدل دیتی ہے۔ یہی عدم شناخت کی نو آبادیاتی صورت ہے۔ عدم شناخت (Identity Crisis) ایک پیچیدہ اور چند جہتی کیفیت ہے جو فرد کی نفسیاتی، فلسفیانہ، سماجی اور تہذیبی سطح پر اس کی اصل پہچان کو متاثر کرتی ہے۔

ٹ۔ایس۔ایلیٹ کی نظم The Waste Land میں انسان کو ایسے ماحول میں دکھایا گیا ہے جہاں معنویت اور شناخت بکھر چکی ہیں، جبکہ ہیمنگوے نے The Sun Also Rises میں داخلی بیگانگی کی کیفیت کو اجاگر کیا : "You can't get away from yourself by moving from one place to another." جیمز جوائس نے A Portrait of the Artist as a Young Man میں ثقافتی کشمکش میں فرد

کی تلاش پیش کی اور اس "exterior darkness" کی نمائندگی کی، جہاں فرد اپنی اصل ہستی اور شناخت کو نہیں پہچان پاتا۔ نفسیات میں یہ کیفیت فرد کی اقدار، کردار اور زندگی کی سمت کے بارے میں غیر یقینی کا نام ہے، فلسفہ میں افلاطون، کیرکیگارڈ، ہائیڈگر اور سارتر نے مختلف زاویوں سے اس کے فلسفیانہ پہلوؤں کو واضح کیا۔ تہذیب اور ثقافت میں عدم شناخت اس وقت ابھرتی ہے جب افراد یا گروہ اپنی جڑوں، روایات اور معنوی بیانیے سے کٹ جائیں، سماجی سطح پر یہ عدم اعتراف اور طبقاتی جبر کے ذریعے فرد کو مسخ شدہ وجود میں قید کر دیتا ہے، جیسا کہ چارلس ٹیلر، ایڈورڈ سعید، ہومی بھابھا اور پیئر بوردیو نے بیان کیا۔ نتیجتاً عدم شناخت ایک ایسی کیفیت ہے جو داخلی تضاد، روحانی و معنوی خلا، سماجی بیگانگی، طبقاتی جبر اور ثقافتی انتشار سے پیدا ہوتی ہے، اور بیسویں صدی کے مغربی اور اردو ادب میں اسے وجودیت، جدیدیت اور مابعد جدید بیانیے کے تحت فرد کی داخلی اور سماجی تلاش کے موضوع کے طور پر بار بار پیش کیا گیا ہے۔ ادھوری شناخت کو مصنف علامتی ماحول، زبان اور ثقافتی عناصر کے ذریعے پیش کرتا ہے۔

علامتیت ایک ادبی اور فنّی تکنیک ہے جس میں مصنف الفاظ، اشیاء، مناظر، رنگ، یا کرداروں کو محض ان کی ظاہری حیثیت میں پیش کرنے کے بجائے گہری معنوی، نفسیاتی یا فلسفیانہ مفہوم کے لیے استعمال کرتا ہے۔ علامتیت قارئین کو سطحی بیان سے آگے لے جاتی ہے اور کرداروں، واقعات یا ماحول کے پیچھے چھپی پیچیدہ کیفیتوں، جذبات اور تصورات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ ادبی تحریروں میں یہ اکثر انسانی تجربات، نفسیاتی تضاد، وجودی مسائل یا سماجی و تہذیبی بحران کو بصری اور محسوساتی انداز میں پیش کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ مثال کے طور پر، اندھیرا اور روشنی کے مناظر داخلی تضاد، ٹوٹے ہوئے آئینے یا ویران کمرے فرد کی بیگانگی اور وجودی خلاء کی علامت کے طور پر کام کرتے ہیں، جبکہ پانی، ہوا، یا رنگ مخصوص جذبات اور حالات کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔ مختصر کہانیوں میں علامتیت مصنف کو محدود الفاظ میں کردار کی پیچیدہ نفسیاتی حالت، سماجی دباؤ یا تہذیبی انتشار کو واضح کرنے کا موقع دیتی ہے، اور قارئین کو کہانی کے اندر چھپی گہری معنویت سے روشناس کراتی ہے۔

> ”عرف عام میں علامت کا استعمال صرف چند قرائن یا نشانات کے لیے ہوتا ہے جو مرائی ہو گیا جو ذہن کو اشیاء کی جانب منتقل کریں جو مرائی اشیاء سے تعلقات وابستہ رکھتی ہو، مگر سامنے نہ ہو۔“(۸)

علامتیت کی تخلیق اس لیے جنم لیتی ہے کہ عام اور سادہ بیانیہ اکثر انسانی وجود کے گہرے تضادات، نفسیاتی کشمکش، اور سماجی و تہذیبی مسائل کو پوری شدت سے ظاہر نہیں کر پاتا۔ جب کردار اپنی شناخت کے بحران، داخلی خلاء، یا وجودی بے یقینی کا سامنا کرتے ہیں، تو مصنف کو ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ الفاظ اور واقعات کی سطح سے آگے

بڑھ کر اشیاء، مناظر، رنگوں اور علامتی عناصر کے ذریعے ان جذبات اور کیفیتوں کو ظاہر کرے۔ علامتیت قارئین کو وہ اندرونی کیفیتیں محسوس کرواتی ہے جو کردار کے ظاہری اعمال یا مکالمے سے براہِ راست بیان نہیں ہو سکتیں۔ مثال کے طور پر، ٹوٹا ہوا آئینہ یا ویران کمرہ فرد کی بکھری ہوئی شخصیت اور داخلی انتشار کی علامت بنتے ہیں، اندھیرا اور روشنی وجودی خلاء اور پہچان کی تلاش کو پیش کرتے ہیں، اور بارش، ہوا یا دھوپ کردار کے جذباتی اور نفسیاتی حالات کو اجاگر کرتی ہے۔ اس طرح، علامتیت نہ صرف کہانی میں معنوی گہرائی پیدا کرتی ہے بلکہ یہ افسانہ نگار کو محدود الفاظ میں پیچیدہ انسانی تجربات، بیگانگی، اور عدم شناخت کی تصویر کشی کرنے کا ذریعہ بھی فراہم کرتی ہے۔ علامت کے ساتھ استعارہ بھی اس دور کے افسانے کا جزوِ لاینفک بن گیا۔ استعارہ ایک لطیف فن ہے جو کسی چیز کو دوسری چیز کی جگہ رکھ دیتا ہے، جیسے محبوبہ کی آنکھوں کو میلہ چراغاں کہنا یا زبان کو بندھی مرغی سے تشبیہ دینا۔ استعارہ قاری کو جمالیاتی لذت کے ساتھ ساتھ فکری خلش بھی عطا کرتا ہے، جبکہ علامت ایک پیچیدہ نظام معنی کے ذریعے مفہوم کو لامحدود سطح پر پھیلاتی ہے۔ لغت میں علامت کو نشان یا اشارہ کہا گیا ہے، مگر ادب میں یہ ایک ایسی فنی جہت بن جاتی ہے جو کہانی کے تہہ دار مفاہیم کو قاری پر منکشف کرتی ہے۔

اردو ادب میں علامت نگاری کی جڑیں قدیم کہانی، اساطیر، مذہبی تمثیلات اور لوک داستانوں میں ملتی ہیں، اور بیسویں صدی میں اردو افسانے نے اس رجحان کو ایک شعوری اور فنی شناخت دی۔ مظہر الاسلام کے افسانے علامت، تجرید اور ابہام کو اس انداز میں استعمال کرتے ہیں کہ فرد کی عدم شناخت، داخلی تضادات اور وجودی خلاء نہ صرف محسوس ہوتی ہیں بلکہ ایک کثیر المعنی اور فلسفیانہ جہت اختیار کر لیتی ہیں، جو اردو افسانے کے جدید اور مابعد جدید رجحانات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

مظہر الاسلام کے کردار اپنی داخلی کشمکش، خوف، وسوسوں اور سماجی جبر کی اندھیری فضا میں زندگی گزارتے ہیں اور اپنی اصل شناخت تک نہیں پہنچ پاتے۔ ان کی افسانوی تخلیق، جیسے 'گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو' اور 'خط میں پوسٹ کی ہوئی دوپہر'، علامتی پیرایے میں عدم شناخت، داخلی بکھراؤ اور وجودی خلاء کو پیش کرتی ہیں۔ مظہر الاسلام کا افسانوی مجموعہ "گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی " اردو افسانے میں علامت کے استعمال کا ایک نمایاں نمونہ ہے۔ عنوان ہی تین علامتی پرتیں رکھتا ہے: "گھوڑے"، "شہر" اور "اکیلا آدمی"۔ "گھوڑے" طاقت، جنگ اور سامراجی دباؤ کے استعارے ہیں جو فرد کو اس کی اصل شناخت سے محروم کرتے ہیں، جبکہ "شہر" معاشرتی جبر، ذہنی بیگانگی اور نظام کی گرفت کا آئینہ ہے۔ ان دونوں

کے بیچ کھڑا "اکیلا آدمی" صرف تنہائی نہیں بلکہ مزاحمت کی علامت ہے، جو موجودہ نظمِ اقتدار کے خلاف خاموش احتجاج پیش کرتا ہے۔

اسی طرح افسانے "متروک آدمی "میں " گٹھڑی" ایک علامتی شے ہے جو یادداشت، داخلی وجود اور شناخت کے نقصان کی عکاسی کرتی ہے۔ یہاں واقعات محض سادہ کہانیاں نہیں بلکہ معاشرتی اور نفسیاتی شکست کے استعارے ہیں۔ جنس، سیاست، صحافت اور اوباش نوجوانوں کا رویہ بھی علامتی انداز میں پیش کیے گئے ہیں؛ عورت کی جسمانی موجودگی، زوال پذیر اخلاقیات اور ذہنی خلا کی عکاس ہے، سیاست محدود اصولوں اور غیر متعین سچائی کی حفاظت کی علامت بنتی ہے، اور صحافت کا مرنا سچ کی بے وزنی کو ظاہر کرتا ہے۔ مظہر الاسلام کے افسانے میں ہر فنی جزو، خواہ وہ کردار ہو یا شے، ایک گہری علامتی پرت کے ذریعے فرد اور معاشرتی بے شناختی کی تصویر پیش کرتا ہے۔

> ''گٹھڑی چت پر پڑی تھی اور وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا پتہ نہیں گٹھڑی راستے میں گر جائے گی یا وہ اسے ساتھ لے جائے گا۔''(۹)

افسانے کا اختتام ظاہر کرتا ہے کہ اب انسان کو اس کی وجودی اقدار یا جذبوں کے بجائے اس کے "استعمال" کی بنیاد پر پرکھا جاتا ہے۔ مظہر الاسلام یہاں جنس کو شہوت کے بجائے احساسِ زیاں، سیاست کو اصول کے بجائے مکر، اور صحافت کو سچائی کے بجائے خاموشی کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور یہ سب کچھ وہ بین السطور ایسے بیان کرتے ہیں کہ قاری اپنے ارد گرد کی بازگشت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح "ریت کنارا" بھی مظہر الاسلام کی علامتی افسانہ نگاری کا اہم اور منفرد نمونہ ہے۔ یہ محض واقعہ نہیں بلکہ تصوف، داخلی کشمکش اور وجودی سوالات سے جڑا علامتی سفر ہے۔ افسانے میں ریت محض مٹی نہیں بلکہ باطنی سچائی، روحانی تجربے اور انسان کی حدود کی علامت ہے۔ راوی کا دفتر سے واپسی کا راستہ ہمیشہ سیدھا ہے، مگر ایک دن راستے میں پڑی ریت کی چھوٹی سی "سرحد" اسے رکنے پر مجبور کرتی ہے، جو انسانی شعور اور وجودی رکاوٹوں کی علامتی تصویر پیش کرتی ہے۔

> ''پچھلے پانچ منٹ سے میں ریت کے چھوٹے سے ڈیر کے سامنے کھڑا ہوں اپنے اپ میں اس پر سے گزرنے کا حوصلہ پیدا کر رہا ہوں۔''(۱۰)

مظہر الاسلام بیانیے کو سادہ رکھتے ہوئے ہر جملے میں علامتی اور تہہ دار معنی چھپائے ہیں۔ ریت کی تلاش اور رکنا صرف مادی نہیں، بلکہ روحانی پکار، داخلی مکالمہ اور تصوف آمیز سوالات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ افسانہ ظاہر میں سادہ مگر باطن میں پیچیدہ اور معنوی جہات سے بھرپور ہے، جہاں ہر منظر انسانی وجود، عشق، ذات اور عرفان کے باطنی سفر کی تمثیل بن جاتا ہے۔ جملہ، "ریت چاہیے مٹھی بھر ہی کہ نہ ہو میرا مسئلہ ہے"، عارفانہ صدائے دل ہے، جو

ریت کو مادی شے کی خواہش کے بجائے روحانی تجربے اور تصوف کی آزمائش کی علامت بناتا ہے۔ افسانہ" سانپ گھر "مظہر الاسلام کی علامتی افسانہ نگاری کا ایک نمایاں نمونہ ہے، جہاں کہانی محض واقعات کی ترتیب نہیں بلکہ سیاسی، سماجی اور نفسیاتی زوال کا مکمل منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ افسانے کا مرکزی استعارہ" سانپ " محض خطرناک جانور نہیں، بلکہ خوف، استحصال، بدعنوانی اور نظام کی داخلی سڑن کی علامت ہے۔ جب سانپ کو گھر کے اندر دکھایا جاتا ہے، تو یہ سماجی زندگی کے زہر آلود ماحول، بے بسی، بے یقینی اور عدم تحفظ کی نمائندگی کرتا ہے۔ راوی کا جملہ، "میرے گھر میں سانپ ہے"، بظاہر ذاتی تشویش معلوم ہوتا ہے، مگر علامتی سطح پر یہ پورے سماج کی اخلاقی و ذہنی حالت کی عکاسی کرتا ہے، جہاں ہر فرد نظام کے دباؤ اور خوف میں جینے پر مجبور ہے۔

> "جناب کیا کروں میں مجبور ہوں میرے گھر میں سانپ ہے اس نے مجبور سی آواز میں جواب دیا سانپ ڈائریکٹر نے طنزیہ قہقہہ لگایا سانپ نے تمہارا راستہ روک لینا ہو گا جی ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے پرسوں میں نے ناشتے کے لیے جو دودھ لا کے رکھا تھا سانپ رات کو سارا پی گیا اور مجھے صبح اٹھ کر پھر دودھ لانا پڑا اور اسی لیے دفتر دیر سے پہنچا۔"(۱۱)

الف لام میم "میں تصوف، خود کلامی، مزار اور تابوت کے عناصر کے ذریعے فرد کی داخلی شناخت، وجود اور روحانی بیداری کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے، جہاں ہر منظر داخلی مکالمے اور خودی کے منتشر ہونے کا مظہر ہے۔ آخر کار، "ہر اسمندر "میں اندھیرا خوف، جبر اور عدم تحفظ کی علامت بنتا ہے، جو داخلی اور خارجی ماحول دونوں میں فرد کو بے بس کر دیتا ہے۔ مجموعی طور پر، مظہر الاسلام کے افسانے بیرونی واقعات کو محض بیان نہیں کرتے، بلکہ علامت، تجرید، استعارہ اور ابہام کے ذریعے انسانی شناخت، داخلی تضاد، سماجی دباؤ اور روحانی کشمکش کے پیچیدہ تجربات کو ادبی اور فلسفیانہ سطح پر پیش کرتے ہیں، جس سے قاری کو نہ صرف کہانی بلکہ انسانی وجود اور عہد کے اجتماعی بحران کی بھی گہری شعوریت حاصل ہوتی ہے مظہر الاسلام کے افسانے "ہر اسمندر "میں سمندر خود ایک مرکزی استعارہ ہے، جو سکون، وسعت، نرمی اور زندگی کی علامت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، مگر یہ سب کچھ ایک خواب کی مانند ہے، ایک ایسا خواب جو فرد دیکھتا ہے مگر اس میں پہنچ نہیں پاتا۔ یہ سمندر امید اور امن کا استعارہ ہے، ایک افق جہاں پہنچنا ممکن نہیں، اور اس کے ذریعے مصنف نے جدید فرد کی روحانی، سماجی اور نفسیاتی پیاس کو مجسم کر دیا ہے، جو کبھی بجھتی نہیں۔ افسانے کی زبان مختصر، بامحاورہ اور علامتی ہے؛ جملے خواب کی طرح بہتے ہیں، ہر لفظ ایک اشارہ ہے اور ہر اشارہ ایک کیفیت، غم یا سوال کا آئینہ دار۔ جب وہ لکھتے ہیں کہ کتاب نے مرغی کی طرح پر پھیلا رکھے تھے اور لفظوں کو اپنے پروں میں چھپائے بیٹھی تھی، تو قاری محض منظر نہیں دیکھتا بلکہ ایک ایسی علامتی دنیا میں داخل ہوتا

ہے جہاں علم خوف اور محتاط تحفظ کے ساتھ موجود ہے، اور ہر لفظ اپنے اندر تہہ داری، معنویت اور روحانی تجربے کے اسرار رکھتا ہے۔ افسانہ ”اناللّٰہ وانا الیہ راجعون “محض ایک کردار کی آواز کے گم ہو جانے کی کہانی نہیں بلکہ بیسویں صدی کے اس عہد کی صدا ہے، جو سرکاری تحریروں، ریاستی پابندیوں، مذہبی نعرہ بازی اور صحافتی غلامی کے بوجھ تلے دم توڑ چکی ہے

”میری زبان ہونٹوں کی لگام کھینچتی ہے ہونٹ اتھرے گھوڑوں کی مانند پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر بڑے بڑے لفظ ہنہناتے ہیں مگر آواز نہیں آتی۔“(۱۲)

یہ سارا منظر نامہ اس عہد کی تصویر کشی کرتا ہے جہاں تحریر، تقریر، شعور اور سوال سب جرم بن چکے ہیں۔ مظہر الاسلام نے افسانے میں ایک پرانی لوک داستان کی بازگشت کو نہایت مہارت سے استعمال کیا، تاکہ قصہ خود کہانی کا بدن بن جائے۔ بادشاہ اور کہانی سنانے والی عورت کا قصہ محض استعارہ نہیں بلکہ فکری تکنیک کی صورت میں بین المتونیت کی مثال بن جاتا ہے۔ پرانا قصہ، جو کبھی سنایا گیا تھا، یہاں ایک نئی معنویت کے ساتھ زندہ ہوتا ہے،

”میری آواز چوری ہو گئی ہے اگر آپ کے پاس ہو یا آپ نے کسی کے پا دیکھی ہو تو میری مدد کریں میں زندگی بھر اپ کا احسان مندر ہوں گا اور حسب توفیق خدمت بھی کروں گا۔“(۱۳)

افسانہ ”مردے کی بو “مظہر الاسلام کی ان تخلیقات میں سے ہے جہاں فرد کا داخلی کرب، لاشعور کی شوریدہ لہریں اور ذہنی الجھنیں پوری شدت کے ساتھ علامتی انداز میں پیش کی گئی ہیں۔ افسانے کا مرکزی کردار کوئی واضح خارجی شناخت نہیں رکھتا، بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو اپنی ذات، مقام، کردار اور حقیقت کے بارے میں الجھا ہوا ہے۔ اس کا اصل تصادم باہر کی دنیا سے نہیں بلکہ اپنے اندر کے بے ہنگم، متضاد اور شوریدہ ذہن سے ہ۔ ’مرکزی کردار اس داخلی الجھن اور پراگندہ شعور میں محصور ہے جو نہ تو فرار کی حالت رکھتا ہے اور نہ مکمل خودی کے تجربے میں ڈوبا ہے؛ بلکہ وہ اس بو میں لپٹا ہوا ہے، اور یہ بو اس کا حصہ بھی ہے، یا شاید اس کے ذریعے مظہر الاسلام نے اس معاشرے کی تصویر پیش کی ہے جہاں زندہ لوگ مردوں سے کم تر زندگی گزار رہے ہیں۔ کردار کے ارد گرد کی فضا گلیاں، سڑکیں، شراب، چمگادڑ، کرامتیں یہ سب ایک ایسے ماحول کی علامت ہیں جہاں ہر فرد زندہ ہوتے ہوئے بھی اندر سے مر چکا ہے۔ یہ شخصیت مسلسل ”یادداشت “اور ”فراموشی “کے بیچ معلق ہے اسے سب کچھ یاد بھی ہے اور کچھ بھی یاد نہیں۔ اسی ذہنی کشمکش نے اس کے علم، احساس، اور ادراک کو اس قدر پراگندہ کر دیا ہے کہ وہ سچائی اور فریب، حقیقت اور خواب، خودی اور بے خودی کے درمیان فرق نہیں کر پاتا۔ اس علامتی انہدام کے ذریعے افسانہ قاری کے سامنے یہ واضح کرتا ہے کہ ”مردے کی بو “کوئی فرد واحد نہیں بلکہ جدید دنیا میں انسانی شعور کا

اجتماعی مظہر ہے۔ ایک ایسا شعور جو ہر لمحہ بکھر رہا ہے، ڈر رہا ہے، کچھ کھو چکا ہے، اور کچھ ایسا تلاش کر رہا ہے جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ مظہر الاسلام کا افسانہ ''سوچ پہ بیٹھی مکھی'' انسانی نفسیات کی انتہائی باریک اور حساس عکاسی پیش کرتا ہے، جہاں مکھی صرف ایک معمولی کیڑا نہیں بلکہ انسان کے اندر موجود وہ ''سوچ'' ہے جو غیر ضروری، پریشان کن اور ناپاک خیالات کی نمائندگی کرتی ہے اور رفتہ رفتہ فرد کے ضمیر کو کھا جاتی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک بظاہر عام انسان ہے، مگر اس کے اندرونی شعور اور لاشعور کے درمیان ایک مسلسل کشمکش جاری ہے، جو چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھی گہرے جرم اور احساسِ عجز میں بدل دیتا ہے۔ الماری میں بند مکھی، جسے مارنے یا چھوڑنے کا معمولی فعل بھی کردار کے اندر شدید اضطراب پیدا کرتا ہے، اس کے شعوری اور نفسیاتی عدم توازن کی علامت ہے۔ مکھی کا خوف اور شک اس کے اندرونی ضمیر کی آواز ہے، جو اسے بار بار یہ باور کراتا ہے کہ وہ معصوم نہیں بلکہ مجرم ہے۔ اس علامتی کشمکش میں عورت کا بازو، جو الماری سے باہر آتا ہے، محض بیرونی حقیقت نہیں بلکہ کردار کے نفس اور ضمیر کی علامتی تجسیم ہے، جو داخلی اضطراب اور احساس جرم کو جسمانی شکل میں ظاہر کرتی ہے۔ بھنبھناہٹ کا کمرے میں پھیلنا کردار کے ذہنی خلفشار اور پراگندہ شعور کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ مکھی کا وجود اس کے ''اندرونی میں'' کا استعارہ ہے، جو مسلسل یہ باور کراتا ہے کہ انسان اپنی ہستی اور اعمال پر قابو نہیں رکھتا۔ یونگ کے نظریات کے مطابق، ایسی علامتیں محض انفرادی یا نفسیاتی پیداوار نہیں بلکہ اجتماعی لاشعور اور تہذیبی و تاریخی تجربات کے ارتقائی نقوش کی نمائندہ ہوتی ہیں، اور اسی فکری تناظر میں مظہر الاسلام نے مکھی کو نہ صرف کردار کی داخلی کیفیت کی علامت بنایا ہے بلکہ انسانی شعور اور اجتماعی تجربے کے درمیان تعلق کو بھی منظر عام پر لایا ہے

> ''علائم کی تشکیل انفرادی نہیں معاشرتی ہوتی ہے وقتی نہیں ارتقائی ہوتی ہیں عضویاتی نہیں عمرانیاتی ہوتی ہے اسی وجہ سے ینگ علائم کو ان معنوں میں استعمال نہیں کرتا جن میں مکتبہ تحلیل نفسی استعمال کرتا رہا ہے۔''(۱۴)

''سوچ پہ بیٹھی مکھی'' مظہر الاسلام کے علامتی و نفسیاتی اسلوب کی ایک نادر مثال ہے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹے واقعے پر مبنی کہانی معلوم ہوتی ہے کہ ایک مکھی الماری میں بند رہ جاتی ہے، لیکن یہ معمولی واقعہ انسان کی داخلی کائنات کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ مکھی فرد کے ذہن پر اس طرح اثرانداز ہوتی ہے کہ وہ خود کو قاتل محسوس کرنے لگتا ہے، اور مکھی کے مرنے یا زندہ رہنے کا تصور بھی اس کے اندر پشیمانی اور اضطراب کی لہریں پیدا کرتا ہے۔ یہاں مکھی جسمانی آلودگی کی علامت نہیں بلکہ ذہنی اور روحانی اضطراب، احساس جرم اور داخلی کشمکش کی نمائندگی کرتی ہے۔ الماری میں بند رہنا ایک علامتی عمل ہے جو دکھاتا ہے کہ انسان اپنی معمولی کوتاہی پر بھی ذہنی اذیت محسوس کر سکتا

ہے۔ افسانے میں خود کلامی ایک اہم فنی حربہ ہے؛ کردار اپنے ضمیر اور لاشعور سے مکالمہ کرتا ہے، اور قاری کو بھی اس داخلی مکالمے میں شریک کر دیتا ہے۔ افسانے کے آخر میں مکھی کے لیے تابوت بنانے کا تصور طنز اور المیہ دونوں کا مرکب ہے، جو معاشرتی بے حسی کے خلاف انسانی ضمیر اور حساسیت کی علامت ہے۔

"کندھے پر کبوتر" مظہر الاسلام کا افسانہ سیاسی احتجاج اور علامتی اظہار کی ایک مؤثر مثال ہے۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لا کے پس منظر میں یہ افسانہ بچے کی بظاہر سادہ کہانی کے ذریعے پورے سماجی اور سیاسی نظام کی گرفت کو ظاہر کرتا ہے۔ بچے کے جسم سے بہتا پسینہ، جلتے ہوئے پاؤں، گھر کی دیواروں پر پھیلی بو، اور اس کے کندھے پر بیٹھا کبوتر اسب علامتیں ہیں جو داخلی کیفیت کو بیرونی ماحول سے جوڑتی ہیں۔ چوکیدار کا بھیڑیا میں بدل جانا، اور کرسی پر قابض ہونا اقتدار اور جبر کی علامت ہے، جبکہ بچے کا مسلسل پکارنا سماجی بے حسی اور خاموشی کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ افسانہ ریاستی ظلم، انسانی ہمدردی کی کمی اور معاشرتی بیگانگی کو علامتی اور تجریدی انداز میں اجاگر کرتا ہے۔

"گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو" ان کے ہاں علامت جمالیاتی تجربہ ہے، جس میں دنیا کو ایک معصوم اور غیر جانبدار نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے۔ گڑیا کی آنکھ سادگی، معصومیت اور شفاف مشاہدے کی علامت ہے۔ شہر کو اس آنکھ سے دیکھنا، فرد کی تعصبات، خوف اور سماجی جبر کے پردوں کے بغیر حقیقی منظر پیش کرتا ہے۔ یہ افسانہ قاری کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی داخلی تضادات، نفسیاتی دباؤ اور سماجی جبر سے باہر نکل کر دنیا کو ایک نئے، علامتی زاویے سے دیکھے، اور اپنی کھوئی ہوئی معصومیت اور شناخت کی بازیافت کی جانب قدم بڑھائے۔

"موت کی طرف کھلی کھڑکی" مظہر الاسلام کی علامتی افسانہ نگاری کا ایک اور اہم نمونہ ہے، جو فرد کی داخلی شکستگی، عدم شناخت، اور وجودی خوف کو اجاگر کرتا ہے۔ مرکزی کردار مسلسل یہ محسوس کرتا ہے کہ "کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے"، مگر یہ خطرہ خارجی نہیں بلکہ داخلی وسوسوں اور ذہنی اضطراب کی علامت ہے۔ کھڑکی، جو عام طور پر روشنی اور نجات کی علامت ہوتی ہے، یہاں موت اور تشخص کے زوال کی علامت بن جاتی ہے۔ چھوٹے مناظر، جیسے سگریٹ سلگانے اور تیلی رگڑنے کی آواز، فرد کے ذہنی سکوت کے ٹوٹنے اور اندرونی بے چینی کا استعارہ ہیں۔ افسانہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جدید فرد کی سب سے بڑی جنگ بیرونی دشمن سے نہیں بلکہ اپنے ہی ذہن، خوف اور عدم شناخت کے بحران سے ہے۔

> "کیا تمہیں یقین ہے کہ کوئی تمہیں قتل کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہے ہاں مجھے یقین ہے اب میرے مخالفوں کے لیے مجھے قتل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں وہ میرے خون کے پیاسے ہیں۔"(۱۵)

کھلونے ''میں انہوں نے نے فرد کی عدم شناخت اور جبر زدہ حیثیت کو فیکٹری کھلونوں اور شہر کے علامتی نظام کے ذریعے پیش کیا ہے۔ فیکٹری بظاہر کھلونوں کی صنعت کی نمائندگی کرتی ہے، مگر دراصل یہ ایک جابرانہ نظام کی تمثیل ہے جہاں فرد محض ایک مصنوعی پرزہ یا شے بن جاتا ہے، جس کی اپنی کوئی شناخت، مرضی یا حیثیت باقی نہیں رہتی۔ کھلونے یہاں صرف بچپن کی علامت نہیں بلکہ انسانوں کی معصوم، مجبور اور بے اختیار حالت کی عکاسی کرتے ہیں۔ کھلونے ''میں مظہر الاسلام نے فرد کی عدم شناخت اور جبر زدہ حیثیت کو صنعتی اور شہری استعاروں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ افسانے میں فیکٹری محض کھلونوں کی تیاری کا منظر نہیں بلکہ ایک جابرانہ نظام کی علامت ہے، جہاں انسان اپنی انفرادیت کھو کر ایک بے چہرہ پرزہ یا کھلونے بن جاتا ہے۔ افسانے کے علامتی مناظر، جیسے کہ ''کمرے میں کیلنڈر پر بنی چڑیا روشندان پر جا بیٹھتی ہے ''یا''پینٹنگ کے گھوڑے فریم توڑ کر باہر آجاتے ہیں''، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جاندار اور بے جان کے درمیان حدیں تحلیل ہو گئی ہیں اور فرد کی شناخت مکمل طور پر تحلیل ہو چکی ہے۔

''گڑیا کا زائچہ ''مظہر الاسلام کی علامتی اور تجریدی افسانہ نگاری کا ایک نادر اور گہرا نمونہ ہے، جو فرد کی عدم شناخت، وجودی تلاش اور روحانی الجھنوں کو علامتی اور جمالیاتی پیرائے میں پیش کرتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار اپنی زندگی کو ایک مکمل گڑیا بنانے کی لگن میں صرف کر دیتا ہے، مگر جب وہ گڑیا مکمل کر لیتا ہے تو زندگی کا مقصد ختم ہو جاتا ہے اور وہ خودکشی کر لیتا ہے۔ اس انجام کی معنویت محض جذباتی یا نفسیاتی نہیں، بلکہ یہ فرد کے وجود اور شناخت کے بحران کی تہہ دار علامت ہے:

> ''جب لوگوں نے گڑیا ساز کو نیچے آتارا اور پلنگ پر لٹا دیا تو انہیں اس وقت احساس ہوا کہ اس نے رات کے پچھلے پہلے پہر خودکشی کر لی تھی اور اسے ہی چھت سے لٹکے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔''(۱۶)

یہاں **گڑیا** محض ایک کھلونا نہیں بلکہ ایک ایسا استعارہ ہے، جو فرد کی مکمل شناخت کی تلاش کو ظاہر کرتا ہے کردار ساری زندگی ایک مکمل گڑیا بنانے میں لگا رہتا ہے، مگر جیسے ہی وہ گڑیا مکمل ہو جاتی ہے، اس کی اپنی زندگی کا مقصد ختم ہو جاتا ہے اور وہ خودکشی کر لیتا ہے اس انجام میں ایک گہرا وجودی نکتہ پوشیدہ ہے: شناخت کبھی مکمل نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک مسلسل ارتقائی اور متحرک عمل ہے، جیسے ہی شناخت کو "مکمل" سمجھا جائے، زندگی کا تسلسل رک جاتا ہے اور فرد ایک ایسے جمود کا شکار ہو جاتا ہے جو عدم اور فنا کی طرف لے جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں فرد کی عدم شناخت اپنی انتہائی صورت میں ظاہر ہوتی ہے گڑیا کی علامت ایک دوسرا رخ بھی رکھتی ہے، جو نسائی شناخت سے

جڑا ہوا ہے گڑیا معاشرے میں عورت کی نمائندہ بھی ہے۔ ایک ایسی ہستی جو "مکمل" تو کر دی جاتی ہے مگر اس کی تکمیل محض بیرونی ساخت اور سماجی زاویے کے مطابق ہوتی ہے اس کا دل اور احساس موجود ہوتے ہیں مگر اس کی زندگی اور تقدیر پہلے ہی سے متعین کر دی جاتی ہے گڑیا عورت کی بے اختیاری اور سماجی ڈھانچے میں اس کی محدودیت کی علامت بن جاتی ہے۔

گڑیا ساز کا کردار خود بھی گڑیا بن جاتا ہے۔ ایک ایسا حساس وجود جو معاشرے کی بے روح اقدار کے بیچ مکمل ہوتے ہی بے کار ہو جاتا ہے، اسی لیے اس کی خودکشی دراصل اس بات کی علامت ہے کہ وہ معاشرہ جو مکمل چیزوں کو چاہتا ہے وہ خود زندگی کی نامکمل اور مسلسل تلاش سے محروم ہے۔ فرد کی عدم شناخت اس لیے ہے کہ شناخت صرف مکمل شکل میں مانی جاتی ہے، اور مکمل ہوتے ہی وہ ایک مردہ خاکہ بن جاتی ہے "گڑیا کا زائچہ "میں مظہر الاسلام نے شناخت فن نسوانیت، اور خودکشی جیسے موضوعات کو ایک جمالیاتی علامتی نظام میں مربوط کیا ہے، جہاں گڑیا نہ صرف تخلیق محبت اور حساسیت کی علامت ہے، بلکہ وہ خود ایک ایسے نظام کی قید میں ہے جو شناخت کو مکمل ہوتے ہی معدوم کر دیتا ہے، یہ ایک ایسا تخلیقی احتجاج ہے جو فرد کی عدم شناخت کو زندگی اور تخلیق کے تضاد کے آئینے میں دکھاتا ہے۔ گڑیا ساز کی خودکشی اس تضاد کو کھول کر رکھ دیتی ہے معاشرہ جس کمال اور تکمیل کو سب کچھ سمجھتا ہے، وہی دراصل فن، زندگی اور شناخت کی موت ثابت ہوتی ہے۔ اس معنی میں "گڑیا کا زائچہ "مظہر الاسلام کی تخلیقی علامت نگاری کا ایک احتجاجی بیانیہ ہے—ایسا بیانیہ جو فرد کی عدم شناخت کو فن اور زندگی کے بنیادی تضاد کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے یہاں گڑیا تخلیق، محبت اور حساسیت کی علامت بھی ہے اور نسوانیت کی قید و بے اختیاری کی نمائندہ بھی لیکن جیسے ہی وہ "مکمل" ہو جاتی ہے، اس کا زائچہ اسے فنا کی طرف لے جاتا ہے اس منظرنامے میں مظہر الاسلام نہ صرف فرد کی شناخت کے بحران کو پیش کرتے ہیں بلکہ یہ بھی دکھاتے ہیں کہ شناخت کو "مکمل" کرنے کی خواہش دراصل اس کی معدومیت کی طرف ایک قدم ہے۔

افسانہ "اندھیرے میں بیٹھ کر لکھا ہوا خط "وجودی اور علامتی سطح پر ایک گہری کہانی ہے، جس میں مرکزی کردار اپنی محبت، اپنے زمان و مکان، اور اپنے تعلقات کو مکمل طور پر واضح نہیں کر پاتا۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک ایسا فرد ہے جو ایک بے نام خط کے ذریعے اپنی داخلی دنیا کی الجھنوں اور کسی انجان تعلق یا جذبے کے سراغ میں نکلتا ہے۔ یہ خط بطور **علامت** استعمال ہوا ہے اندھیرے میں لکھا گیا، کبھی پڑھا نہیں گیا، اور سالہا سال کے باوجود کھلا نہیں۔ یہ خط محض ایک خارجی شے نہیں بلکہ کردار کی ذہنی اور روحانی کیفیت، اس کے ادھورے

تعلقات، اور وجودی عدم شناخت کی نمائندگی کرتا ہے۔ افسانے کی ابتدا سے ہی ایک غیر مرئی کیفیت چھائی ہوئی ہے، جہاں حقیقت اور فنتاسی، موجودہ اور ماضی، مکمل اور ادھورے جذبات آپس میں گُندھ جاتے ہیں۔

ان کی تخلیقات جدید فرد کے داخلی تضادات، سماجی جبر، اور وجودی بحران کو علامتی اور جمالیاتی پیرائے میں پیش کرتی ہیں۔ فرد کی عدم شناخت، یعنی اپنی ذات، جذبات، اور حقائق سے کٹاؤ، ان کے افسانوں کا مرکزی موضوع ہے، جسے مختلف علامتی طریقوں سے اجاگر کیا گیا ہے" باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی" محض کہانیوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک باطنی اور خارجی سفر ہے، جس میں مصنف اپنے کرداروں، مناظر، اور علامتوں کے ذریعے فرد کی داخلی گمشدگی، یادداشت، اور احساسِ وجود کے پیچیدہ تجربات پیش کرتا ہے۔ یہ کہانیاں ایک ایسی فضا میں جنم لیتی ہیں جہاں حقیقت اور فنتاسی، ماضی اور حال، خواب اور بیداری ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں، اور اسی ملاپ سے فرد کی عدم شناخت کی علامتی تصویر سامنے آتی ہے۔ افسانہ شام بڑے برتن ٹوٹنے کی آواز میں مرکزی کردار ریشم کی ذات ایک خاموش چیخ ہے، جو سماجی جبر، نسلی روایت، اور یک طرفہ محبت کے داخلی بوجھ تلے زندگی کے ہر لمحے کو ایک عہد کے طور پر جیتی ہے ریشم کی خودکشی ایک اچانک فیصلہ نہیں بلکہ وہ لمحہ ہے جب فرد کی ذات مکمل طور پر اپنی شناخت کھو دیتی ہے۔ تھانے دار جب اس کی ماں سے پوچھتا ہے کہ اس نے خودکشی کب کی، اور وہ جواب دیتی ہے "جب یہ پیدا ہوئی تھی"، تو یہ جملہ کسی صدمے یا جذباتی لغزش کا اظہار نہیں، بلکہ معاشرتی اور نسوانی شناخت کے مکمل انہدام کی علامت ہے ریشم کی شناخت احسان بابو کی ہر چیز کے تحفظ میں مدغم ہو چکی ہے ناخن، کتابیں، چائے کے برتن یہ تمام اشیاء جنہیں وہ نہایت دھیان سے سنبھالتی ہے، دراصل وہ علامتی اشیاء ہیں جن میں وہ اپنے وجود کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے، لیکن جب یہی وجود احسان بابو کے عشق کی زبانی تعبیر کی زد میں آتا ہے، تو اس کی شناخت مجروح ہو جاتی ہے، اور وہ اس لمحے کو اپنی موت سے جوڑ دیتی ہے اس کی زندگی کے تمام معنی دوسروں کی رضامندی اور توقعات میں سموئے ہوئے تھے، جیسے اس کا کہنا: "جس دن میں آپ کی بات نہ مانوں، مجھے موت آ جائے" یہ جملہ نہ صرف نسوانی وفاداری کی علامت ہے بلکہ خود کو قربان کرنے والی شناخت کا اعلان بھی ہے ریشم کی عدم شناخت کا سفر اس کی خاموش، اس کی دعاؤں، اور اس کی وابستگ سے عبارت ہے۔ وہ کسی ظاہری ردعمل کے بغیر جیتی ہے، اور یہی اس کا داخلی شور ہے جو برتن ٹوٹنے کی آواز میں تبدیل ہو جاتا ہے، یہ آواز محض اشیاء کے شکستہ ہونے کی نہیں، بلکہ ایک ایسی ذات کی ہے جو زندگی بھر اپنی شناخت کی حفاظت کرتی رہی، اور آخرکار خود کو ختم کر کے اپنی صداقت ثابت کر گئیییہ افسانہ فرد کی اس داخلی کائنات کا آئینہ ہے جہاں خامشی، بے بسی اور وفاداری جیسے جذبے

شناخت کے نام پر سلب کیے جاتے ہیں، اور جب یہ جذبے ایک بے حِس معاشرتی فضا میں سناٹے سے ٹکرا جاتے ہیں، تو ایک برتن ٹوٹنے کی آواز میں پوری زندگی بکھر جاتی ہے۔

> ''ہم ایک برتن میں نہیں پی سکتے تھے پھر روتی ہوئی باہر نکل گئی مجھے یاد آرہا ہے ایک بار اس نے کہا تھا بابو احسان اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو خدا کرے مجھے موت آجائے اب پتہ نہیں احسان یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔''(۱۷)

مظہر الاسلام کا افسانہ ''پنجرہ'' فرد کی داخلی کشمکش اور سماجی دباؤ کے تحت شناخت کے زوال کا ایک علامتی آئینہ پیش کرتا ہے۔ افسانے میں لڑکی اور لڑکا صرف دو شخصیات نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کے نمائندے ہیں جہاں رشتے، جذبات، اور زندگی کے تجربات محدود اور تقسیم شدہ ہیں۔ لڑکی خارجی طور پر مضبوط اور فیصلہ کن نظر آتی ہے، مگر داخلی طور پر جذباتی معلق اور غیر وابستہ ہے، اس لیے وہ ماضی سے چھٹکارا چاہتی ہے اور اداسی کو اپنانے سے گریز کرتی ہے۔ لڑکا داخلی طور پر مکمل دکھائی دیتا ہے مگر خارجی سطح پر شکست خوردہ ہے، کیونکہ اس نے محبت کی، اداسی کو قبول کیا، اور ماضی کو سمیٹا، مگر اس کے باوجود وہ شناختی خلاء کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس تقسیم اور علامتی پنجرے میں نہ لڑکی آزاد ہے نہ لڑکا، اور یہی اس معاشرتی ونفسیاتی تقسیم کی بنیادی علامت ہے۔

افسانے میں فرد کی نفسیاتی شکستگی کو مختلف علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے، جیسے چھوٹی باتوں کو شدت سے محسوس کرنا، دم گھٹنے کی شکایت، نیند کا غائب ہونا، اور شہر چھوڑنے کی خواہش۔ یہ علامات فرد کی داخلی اضطراب اور شناخت کی تحلیل کی عکاسی کرتی ہیں، جہاں خارجی ماحول—شہر، معاشرہ، اور سماجی توقعات—ان بوجھل جذبات کو مزید گہرا کرتے ہیں۔ ماضی ایک زندہ تجربے کی طرح فرد کے پیچھے ہوتا ہے، اور لڑکی جب ماضی کو لڑکے کے سپرد کرتی ہے تو گویا وہ اپنی شکستیں اور جذبات اس پر ڈال کر خود کو آزاد کرنے کی کوشش کرتی ہے، مگر مظہر الاسلام کے نزدیک یہ آزادی صرف جعلی ہے کیونکہ شناخت تبھی مکمل ہوتی ہے جب فرد ماضی کو تسلیم کرے، نہ کہ اسے کسی اور کے حوالے کر دے۔

افسانے میں سماجی دباؤ اور ریاستی جبر فرد کی داخلی دنیا پر مزید اثر ڈالتے ہیں۔ فرد اپنے سچ اور احساسات سے دستبردار ہو جاتا ہے اور اپنی شناخت کے اظہار سے قاصر رہتا ہے۔ افسانے کے اختتام پر فرد کی موت بھی گمنام رہتی ہے، جنازے میں صرف چند لوگ حاضر ہوتے ہیں اور کوئی رسمی یا جذباتی پذیرائی موجود نہیں ہوتی، جس سے شناخت کے مکمل انکار اور وجودی فنا کی عکاسی ہوتی ہے۔ "پنجرہ" اس لحاظ سے مظہر الاسلام کے علامتی، نفسیاتی اور فکری اسلوب کا ایک جامع مظہر ہے، جہاں فرد کی داخلی دنیا، اداسی، اور رشتوں کی تقسیم کے ذریعے انسانی شناخت

کے زوال اور سماجی دباؤ کی پیچیدگی کو واضح طور پر دکھایا گیا ہے۔ افسانہ یہ باور کراتا ہے کہ جدید انسان کی شناخت نہ صرف داخلی کشمکش بلکہ سماجی، تہذیبی اور تاریخی دباؤ کے زیر اثر مسلسل تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ افسانہ "ایک شام نے چڑیا کو چک لیا" مظہر الاسلام کی علامت نگاری اور داخلی کرب کی روایت میں ایک ایسا بیانیہ ہے جو فرد کی عدم شناخت کو فطرت، وقت، اور تعلقات کے تناظر میں پیش کرتا ہے بظاہر یہ ایک چڑیا اور شام کے ملاپ کا منظر ہے، مگر حقیقت میں یہ فرد اور اس کی معصومیت، اس کے خواب، اور اس کے جذبات کی علامتی موت کی کہانی ہے چڑیا یہاں معصومیت، زندگی کی لطافت، اور آزادی کا استعارہ ہے۔ وہ ہلکی اور پر جوش ہے، لیکن شام کے آتے ہی جیسے اس پر ایک پردہ گرا دیا جاتا ہے شام کا چڑیا کو "چک لینا" ایک ایسے لمحے کی علامت ہے، جب روشنی بجھنے لگتی ہے اور زندگی کا تازہ پن دھندلا جاتا ہے، یہ منظر فرد کی اس کیفیت سے مماثل ہے جہاں وہ اپنے وجود کی روشنی اور پہچان کھوتا ہے۔ وقت، حالات یا کوئی گہرا صدمہ اس کے وجود پر ایسا سایہ ڈالتا ہے کہ وہ اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہ پاتا۔ افسانے کا عنوان ہی اس المیے کو واضح کرتا ہے، کہ ایک لمحہ، ایک واقعہ، یا ایک دور ایسا آتا ہے جب فرد کے اندر کا سب سے قیمتی اور لطیف پہلو چھن جاتا ہے سماجی حوالوں سے یہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب معاشرہ فرد کی معصومیت اور تخلیقی آزادی کو اپنے سخت اصولوں اور بے حسی سے دبا دیتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر یہ وہ مقام ہے جہاں فرد کا اندرونی بچپن اور معصوم اعتماد ختم ہو جاتا ہے، اور اس کی جگہ ایک ایسا وجود لے لیتا ہے جو محتاط، زخمی، یا بے حس ہو جاتا ہے یہاں عدم شناخت کا پہلو اس بات میں پوشیدہ ہے کہ جب فرد اپنی سب سے بنیادی اور فطری خصوصیت کھو دیتا ہے تو وہ اپنی اصل سے اجنبی ہو جاتا ہے وہ پہچانا تو جا سکتا ہے، مگر وہ پہچان اب اس کی اصل ذات کی نہیں بلکہ اس کے اس نئے، محدود اور زخمی وجود کی ہوتی ہے جو اس نقصان کے بعد بچا ہے، یہ افسانہ بتاتا ہے، کہ عدم شناخت ہمیشہ کسی بڑے واقعے یا بغاوت سے نہیں آتی، بلکہ کبھی کبھار ایک شام، ایک خاموش لمحہ، یا ایک معمولی سا تغیر بھی فرد کی پوری شناخت بدل دینے کے لیے کافی ہوتا ہے اس افسانے "ایک شام نے چڑیا کو چک لیا" میں فرد کی عدم شناخت کا تصور نہایت گہرائی سے علامتی اور نفسیاتی سطح پر اجاگر ہوتا ہے۔

چڑیا کا کافکا کے ساتھ تعلق اور اس کے ذریعے کہانی سنانا، ایک تہہ دار علامت ہے جو فرد کی بیگانگی، وجودی کرب، اور فکری گہرائی کو اجاگر کرتا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکی کی خودکشی کی کہانی ایک ایسی نسل کی علامت ہے جو سماجی اور داخلی تضادات کے بوجھ تلے زندگی سے کنارہ کش ہو رہی ہے۔ چڑیا کا پڑھانا اور ساتھ ہی مر جانا اس بات کی علامت ہے کہ شعور اور سچائی کی ترسیل اکثر اپنی قیمت پر ہوتی ہے، یعنی جو فرد حقیقت یا سچائی دکھانے کی ہمت کرتا ہے، وہ سماجی اور فکری دباؤ کے سامنے اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ چڑیا کا پھڑک پھڑک کر مرنا محض پرندے کی موت

نہیں بلکہ سچائی، آزادی اور تخلیقی پرواز کی کچل دی گئی علامت ہے، جو فرد کو اس کے اصل وجود سے جوڑتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ عدم شناخت کبھی صرف بیرونی دباؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ تخلیقی اور وجودی قربانی کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔

افسانہ ''گم شدہ شخص کی تلاش میں ''میں مظہر الاسلام نے فرد کی عدم شناخت کو ایک صوفیانہ اور علامتی فریم میں پیش کیا ہے، جہاں بابا فرید الدین گنج شکر کے عرس کا منظر پس منظر کے طور پر موجود ہے۔ عرس بظاہر روحانی وابستگی، خود سپردگی اور باطنی سکون کی علامت ہوتا ہے، لیکن یہاں مرکزی کردار اس روحانی ہجوم میں اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ "شاید میں ایک تھنگ اب بن گیا"، تو اس میں ایک وجودی حسرت چھپی ہے کہ وہ خود کو کسی پہچانی ہوئی شکل میں دیکھ سکے، مگر فوراً ہی اس خیال کو رد کر دیتا ہے، جیسے تقدیر نے اسے اس سے محروم رکھا ہو۔

عرس کے دوران کوڑیاں تقسیم ہونا اور مصنف کا ان میں حصہ لینے کی کوشش کرنا، پھر اپنی حرکت پر شرمندگی محسوس کرنا، فرد کی نفسیاتی پیچیدگی کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ منظر انسانی جبلتی خواہشات اور روحانی ماحول کے تضاد کو ظاہر کرتا ہے، جہاں بلند تر مواقع بھی فرد کے وجودی خلا کو چھپا نہیں پاتے۔ اختتام پر جب کردار خود کو ہر جگہ تلاش کرتا ہے مگر نہیں پاتا، تو یہ عدم شناخت کی انتہا کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں "گم ہونا" جسمانی نہیں بلکہ وجودی اور نفسیاتی معنوں میں ہے، یعنی فرد اپنے "میں" کو وقت، خواہشات، تضادات اور خارجی اثرات کے بوجھ تلے کھو چکا ہوتا ہے۔

> ''اب میں کئی سالوں سے جگہ جگہ اپنے آپ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں مگر پتہ نہیں میں کہاں ہوں۔''(۱۸)

مظہر الاسلام کے افسانوی ادب کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ ان کے ہاں بنیادی موضوع فرد کی شناخت کا بحران ہے۔ ان کی تخلیقات میں انسان محض ایک خارجی کردار نہیں رہتا بلکہ ایک داخلی اور وجودی مسئلے کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ فرد کی ذات ہر سطح پر شکست اور بکھراؤ کا شکار دکھائی دیتی ہے۔ کبھی وہ سماجی دباؤ میں اپنی پہچان کھو دیتا ہے، کبھی ماضی کے بوجھ تلے دب جاتا ہے، کبھی محبت اور رشتوں میں فنا ہو کر غیر مرئی ہو جاتا ہے، اور کبھی نظامی جبر کے ہاتھوں ایک بے چہرہ وجود میں بدل جاتا ہے۔ عدم شناخت دراصل ایک ایسا وجودی و فکری بحران ہے جو فرد کو اپنی اصل ہستی سے محروم کر دیتا ہے۔ فلسفیانہ اعتبار سے شناخت کا تعلق "خود (Self) "کی دریافت سے ہے، یعنی انسان کو یہ معلوم ہو کہ وہ اپنی اصل میں کیا ہے، کس سمت جا رہا ہے اور کس بنیاد پر اپنی زندگی کو معنی دیتا

ہے۔ لیکن جب یہ سوالات غیر واضح رہیں اور فرد اپنی ذات کے بارے میں کسی حتمی نتیجے تک نہ پہنچ سکے، تو یہی کیفیت عدم شناخت کہلاتی ہے۔ مظہر الاسلام کے علامتی اور تجریدی اسلوب نے فرد کے اس المیے کو اور بھی گہرا کر دیا ہے۔ روزمرہ کی عام اشیاء اور واقعات جیسے مکھی، کھڑکی، تصویر، گٹھڑی، خوشبو یا بھار محض مادی حقیقت نہیں رہتے بلکہ ایسے استعارے بن جاتے ہیں جو فرد کے لاشعور، اس کی ٹوٹی ہوئی ذات اور اجتماعی جبر کی گرفت کو مجسم کر دیتے ہیں۔ یہی علامتی اظہارات قاری کو اس حقیقت سے روشناس کراتے ہیں کہ فرد کی اصل پہچان محض جسمانی یا سماجی سطح پر نہیں بلکہ ایک داخلی جستجو میں ہے جو ہمیشہ نامکمل رہتی ہے۔

مظہر الاسلام کا افسانوی کینوس دراصل اس بڑے سوال کو سامنے لاتا ہے کہ انسان اپنی اصل شناخت کہاں اور کیسے پاتا ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ جب معاشرہ اور نظام فرد کو شناخت دینے کے بجائے اسے بے چہرہ اور غیر مرئی بنا دیتا ہے، تو عدم شناخت ہی اس کے وجود کی سب سے بڑی حقیقت بن جاتی ہے۔

حوالہ جات

۔1 https://www.merriam‹webster.com/dictionary/identity%20crisis

۔2 https://library.fiveable.me/key‹terms/british‹literature‹ii/identity‹crisis

۔3 Men's search for himself Rollo may ,2009,page 21W.W Norton and company new York

۔4 Taylor, Charles. The Politics of Recognition." In Multiculturalism: Examining the Politics of Recognition. Edited by Amy Gutmann. Princeton: Princeton University Press, 1994, page 28

۔5 Jean‹Paul Sartre's Being and Nothingness page 79,Class Lecture Notes Professor Spade Spring 2010

۔6 ORIENTALISM Edward W. Said page ,20Routledge &Kegan Paul LondonandHenley1978

۔7 THE LOCATION OF CULTURE Homi K. Babbage page 43London and New York 1994

۸۔ ڈاکٹر ابن فرید، علامت کا تصور، ص ۶۴، مشمولہ: علامت نگاری: انتخابی مقالات، ترتیب: اشتیاق احمد، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء، ص ۳۳

۹۔ مظہر الاسلام، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۱۷۔۲۶

۱۰۔ مظہر الاسلام، ریت کنارہ، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۲۵

۱۱۔ مظہر الاسلام، سانپ گھر، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۳۸

۱۲۔ مظہر الاسلام، اناللہ واناالیہ راجعون، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۶۷

۱۳۔ مظہر الاسلام، اناللہ واناالیہ راجعون، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۶۷

۱۴۔ ڈاکٹر ابن فرید، علامت کا تصور، مشمولہ: علامت نگاری: انتخابی مقالات، ترتیب: اشتیاق احمد، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء، ص ۶۴

۱۵۔ مظہر الاسلام، گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۸۰

۱۶۔ مظہر الاسلام، گڑیا کا زائچہ، گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء، ص ۵۲

۱۷۔ مظہر الاسلام، شام بڑے برتن ٹوٹنے کی آواز، باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۳۸

۱۸۔ مظہر الاسلام، گم شدہ آدمی، ختم پوسٹ کی ہوئی دوپہر، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۲۰۷